پورا نہ کر سکے، بلکہ شریعت سے خارج امور کی محتاج ہو جائے، اس طرح انہوں نے محض اس گمان پر کہ مصلحت شرعی قواعد کے منافی ہے حق کی معرفت اور اس کی تنفیذ کے صحیح طریقوں کا راستہ بند کر کے شریعت کو معطل کر دیا، حالانکہ وہ اور سب ہی لوگ قطعاً جانتے ہیں کہ مصلحت امر واقع کے مطابق ہے۔ میں تو قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مصلحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے منافی نہیں ہے، ہو سکتا ہے وہ ان لوگوں کے اپنے اجتہاد سے حاصل کردہ فہم شریعت کے خلاف ہو۔ یہ غلط فہمی شریعت اور واقعی حالات کی حیثیت سمجھنے میں کوتاہی اور ان دونوں میں خلط ملط کرنے کا نتیجہ ہے۔

پھر جب اولیائے امور (حکام) نے دیکھا کہ ان کا کام اس گروہ کے فہم شریعت سے نہیں چلتا تو انہوں نے اپنے سیاسی معاملات میں بڑا شر و فساد پھیلا دیا، جس سے حالات اتنے بگڑے کہ صحیح حقائق شریعت جاننے والوں کے لئے بھی ان کا استدراک اور تلافی اور لوگوں کو ان کی تباہ کاریوں سے باہر نکالنا دشوار ہو گیا۔ اس کے بالمقابل ایک اور گروہ نے بھی افراط سے کام لیا اور اس نے اس صورتحال سے نپٹنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے منافی امور کا جواز گڑھ لیا۔

یہ دونوں گروہ اللہ کی نازل کردہ کتاب میں اس کے بھیجے ہوئے دین کی معرفت میں کوتاہی کی وجہ سے اس جال میں پھنسے، حالانکہ اللہ سبحانہٗ نے تو اپنے رسول کو بھیجا اور اپنی کتاب اتاری کہ لوگ قسط پر قائم رہیں، یہ وہی عدل ہے جس کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں، اس لئے جہاں اور جس طریقہ سے بھی عدل کی نشانیاں ظاہر ہوں گی وہیں اللہ کا دین و شریعت ہو گی۔ انسانوں سے زیادہ عالم و عادل اور بڑا حاکم ہونے کی وجہ سے اللہ سبحانہٗ اس بات سے زیادہ بلند ہے کہ وہ عدل کے طریقوں و نشانیوں کو ایک چیز سے مخصوص کرنے کے باوجود اس سے زیادہ ظاہر و باہر اور قوی دلیل و نشانی والی چیز کو اس کا حصہ نہ بنائے اور اس کے ہوتے ہوئے اس کے

بموجب عمل کا حکم نہ دے، بلکہ اللہ سبحانہٗ نے تو اپنے مشروع طریقوں کا مقصد اپنے بندوں کے درمیان قیامِ عدل اور لوگوں سے قسط پر قائم رہنے کے مطالبہ کو پوری طرح واضح کر دیا ہے، اس لئے جس طریقہ سے بھی عدل وقسط قائم کرنے کا مقصد حاصل کیا جائے گا وہ دین میں شمار ہوگا اور اس کے مخالف نہ ہوگا۔

اس لئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ عادل سیاست منطوقِ شرع کے خلاف ہے، بلکہ وہ دین کی لائی ہوئی شریعت کے موافق اور اس کے اجزاء کا ایک حصہ ہے۔ ہم اقامت عدل کا نام سیاست لوگوں میں رائج اصطلاح کی وجہ سے رکھتے ہیں، ورنہ وہ تو اللہ اور اس کے رسول کا عدل ہے جو ان علامات اور نشانیوں (سیاست و مصلحت) میں ظاہر ہوا۔ (حوالہ سابق، ص ۲۵، ۱۸)

ہم نے اتنا طویل اقتباس اس لئے دیا ہے کہ امام ابن قیمؒ کے کلام کو بہت زیادہ غلط سمجھا گیا ہے۔ بہت کم لوگ اس کو صحیح سمجھ سکے ہیں۔ ان کے کلام میں وقتی جزئی مصالح اور زمان و مکان کے اختلاف سے متاثر نہ ہونے والے مصالح کے درمیان بہت باریک فرق کیا گیا ہے، اگر اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو اشتباہ اور خلط ملط ہوگا۔

ابن قیمؒ کی دوسری کتاب 'احکام اہل الذمہ' کی خاص اہمیت ہے، اس لئے کہ اس میں ایک مخصوص موضوع ''اسلامی حکومت میں غیر مسلم اقلیات'' پر مستقل بحث ہے، اس پر انہوں نے مختلف زاویوں سے غور کیا، اور حضرت عمر بن خطابؓ کی شام کے عیسائیوں سے شرائط صلح پر اپنی کتاب کی بنیاد رکھی، پہلے انہوں نے ان شرائط صلح کی مختلف روایات کی نصوص کی باریک بینی سے تحقیق کی، پھر درج ذیل موضوعات پر تفصیل سے بحث کی:

۱۔ عقائد وعبادات کی حریت، اہل ذمہ کے عبادت گھروں اور ان کے شعائر و دینی تہواروں سے متعلق اسلام کا نقطہ نظر، نیز کون سے شعائر وتہواروں کا اعلان واظہار جائز ہے اور کس کا نہیں؟

۲۔ اسلامی جنائی تشریعات وغیرہ کی اہل ذمہ پر کس حد تک تنفیذ ہوتی ہے؟

۳۔ اہل ذمہ کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے جرائم کی سزائیں۔

۴۔ اہل ذمہ اور مسلمانوں کے درمیان مالی وتجارتی معاملات۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

۵۔ اہل ذمہ کے پرسنل لاء (یعنی شادی بیاہ، طلاق، میراث وغیرہ) کے مسائل۔

۶۔ اہل ذمہ اور مسلمانوں کے درمیان معاشرتی تعلقات۔

۷۔ اہل ذمہ اور مسلمانوں پر مالی ٹیکسوں کا موازنہ۔

۸۔ وہ جگہیں جہاں اہل ذمہ کا داخلہ و قیام ناجائز ہے۔

۹۔ اہل ذمہ اور مسلمانوں کے درمیان لباس و مظہر وغیرہ میں امتیاز۔

خاتمۂ بحث:

سیاسی فقہ کی مشہور کتابوں کے اس مختصر جائزہ سے دو حقیقتیں واضح ہوتی ہیں:

اول: سیاسی فقہ کی مذکورہ بالا کتابیں خیالی دنیا میں گشت لگانے والی نظری تحریریں نہیں ہیں، جیسے کہ فلاسفۂ یونان کی کتابیں سیاسی فکر پر گفتگو کے وقت خواب و خیال کی غیر واقعی دنیا میں پرواز کرتی ہیں، چنانچہ جمہوریۂ افلاطون کا قاری جانتا ہے کہ اس کے تصورات خیالی ہیں، لیکن سیاسی فقہ کی اسلامی کتابیں عملی تھیں۔ انہوں نے امر واقع کا سامنا کیا، بلکہ ان میں سے بیشتر تو اصحابِ اقتدار کے حکم سے عمل اور تنفیذ ہی کے لئے لکھی گئیں، جیسے قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ نے خلیفہ ہارون رشید کی فرمائش پر کتاب الخراج لکھی تھی، اسی طرح ماوردیؒ نے خلیفۂ وقت کے حکم سے الاحکام السلطانیہ تحریر کی، اور امام ابن تیمیہؒ نے السیاسۃ الشرعیہ میں حکامِ مصر کو مخاطب کیا، ایسی اور مثالیں بھی اوپر گزر چکی ہیں، اس لئے اسلامی سیاسی فقہ کی تالیفات نظری کے ساتھ عملی پہلو بھی لئے ہوئے ہوتی تھیں۔ انہوں نے مسائل وقت کا علاج کیا اور ضروریاتِ زمانہ کو پورا کیا، نیز حکومت سے متعلق صحیح اسلامی تصورات و نظریات کو سابق روشن تاریخی مثالوں اور نمونوں سے اجاگر کیا۔

دوم: سیاسی فقہ کی ان کتابوں نے مختلف زمانوں کے مسائل و مشاکل کے حل کے ساتھ اسلامی حکومت کے ارتقاء کے مطابق اس کے سیاسی نظام کے کسی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑا، چنانچہ جوینیؒ نے حکومت اور اس کے نظام پر کافی وشافی بحث کی، شیبانیؒ نے عالمی تعلقات کا احاطہ کیا، ابن قیمؒ نے غیر مسلم اقلیات کا حق ادا کیا، ابن سلامؒ نے مالی نظام کا خاکہ پیش کیا اور دیگر مؤلفین نے عدالتی نظام کی تفصیلات فراہم کیں۔

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابو زرعہ)

نئی صدی ، نئی سوچ ، نیا انداز

آپ کا پسندیدہ مشروب

رُوح افزا

خوب صورت اور مضبوط، ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ

'PET' بوتل

میں دستیاب ہے

اور ہاں! ہر 'PET' بوتل میں 50 ملی لیٹر زیادہ رُوح افزا بھی

راحتِ جاں
رُوح افزا
مشروبِ مشرق

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعات ہمدرد خریدتے ہیں۔
شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:
www.hamdard.com.pk

-HRA-5/2001

Adarts-HRA-5/2001

فقہ المعاملات

قید و جیل کے شرعی احکام

صوبیدار لطیف اللہ

قید و جیل میں قیدیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کی ممانعت:

اسلام میں قانون کی نظر میں مسلم، غیر مسلم حاکم، محکوم، امیر، غریب، مزدور اور آقا سب برابر ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

"یادَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ"(۳۵)

(اے داؤد علیہ السلام ہم نے تجھے زمین میں حاکم بنایا ہے سو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہشات کی پیروی نہ کر ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے)

اسلامی ریاست میں قانون کو بالادستی حاصل ہوتی ہے۔ اسلام میں ایک عام آدمی سے لے کر رئیس مملکت تک تمام افراد قانون کی نظر میں مساوی ہیں اور قانون کے تابع ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

"فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَاءَ ھُمْ عَمَّا جَاءَکَ مِنَ الْحَقِّ"(۳۶)

(اے رسول اللہ ﷺ آپ لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کر اور اس قانون حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر)۔

ایک اور جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ"(۳۷)

(جو لوگ اللہ اور رسول کے مقررہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ سخت ذلیل لوگوں میں سے ہیں۔ قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات بینات سے یہ بات واضح ہو جاتی کہ اسلام نے عدالتی معاملات میں ہر فرد کے درمیان ہر لحاظ سے ترازو کو برابر رکھا ہے۔ قانون کی نظر میں بڑے سے بڑا

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

آدمی اور چھوٹے سے چھوٹا آدمی برابر ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"اقیموا حدود اللہ فی القریب والبعید ولا تاخذکم فی اللہ لومۃ لائم"(۳۸)

(اللہ کی حدیں بلا تمیز قریب اور بعید سب پر جاری کرو اور کسی ملامت کرنے والی کی پرواہ نہ کرو)

عہد نبوی ﷺ کا ایک مشہور واقعہ ہے جس سے اسلام میں قانون کی بالادستی اور حکمرانی کی حقیقی روح نکھر کر سامنے آتی ہے۔ قریش کی ایک مخزومی عورت نے چوری کا ارتکاب کیا۔ لوگوں کو فکر ہوئی کہ اگر اس کو سزا ہو گئی تو ہماری جگ ہنسائی ہو گی۔ ان لوگوں نے حضرت اسامہؓ کو آمادہ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاکر عورت کو چھوڑ دینے کی سفارش کریں۔ جب حضرت اسامہؓ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچے اور اپنا مافی الضمیر بیان کیا تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"انما اھلک الذین قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد وایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا"(۳۹)

(تم سے پہلے والے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی غریب چوری کرتا' اس پر حد قائم کرتے اور اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا)۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب خلافت کی ذمہ داری سنبھالی اور بیعت عامہ کے بعد ایک مختصر و جامع تقریر کی۔ اس میں آپؓ نے اپنی آئندہ سیاسی حکمت عملی کو واضح کرتے ہوئے قانونی مساوات کا ذکر ان شاندار الفاظ میں بیان فرمایا:

"صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں اگر میں فلاح و بہبود کے کام کروں تو میری امداد کرنا ورنہ اصلاح کر دینا۔ صدق و صفائی اپنا دیانتدارانہ فرض خیال کروں گا۔ کذب و دروغ منصبی خیانت تصور کروں گا۔ تم میں سے کمزور میرے نزدیک طاقتور ہوگا۔ ظالم سے اس کا حق دلا کر رہوں گا۔ تم میں سے طاقتور میرے نزدیک کمزور ہوگا ان شاء اللہ مظلوم کا حق اس سے دلاؤں گا۔ دیکھو تم میں سے کوئی جہاد ترک نہ کرے جس قوم نے اس

سے اجتناب کیا وہ دنیا میں اپنی عزت قائم نہیں رکھ سکتی۔ میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو لیکن جب خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت ضروری نہیں" (۴۰)۔

مولانا عبدالسلام ندویؒ اپنی کتاب "اسوہ صحابہ" میں خلفائے راشدین کی قانونی مساوات اور قانون کی بالادستی کے سلسلے میں لکھتے ہیں :

"صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ معزز خود خلیفہ وقت تھا لیکن اگر اس سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تھا تو رعایا کا ہر فرد اس کی پیٹھ پر کوڑا مار سکتا تھا۔ ایک بار حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اعلان فرمایا کہ میں صدقے کے اونٹ تقسیم کروں گا۔ سب لوگ آئیں مگر ہمارے پاس کوئی بلا اجازت نہ آئے لیکن ایک بدو ہاتھ میں مہار لیے ہوئے آیا اور بلا اجازت ان کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے اسی مہار سے اسے مارا۔ جب اونٹ کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو اس کو بلایا اور کہا کہ اسی مہار سے اپنا قصاص لو۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ سنت نہ قائم کیجئے! بولے قیامت میں خدا کو کیا جواب دوں گا" (۴۱)

مولانا عبدالسلام ندویؒ مزید لکھتے ہیں :

"ایک بار حضرت عمرؓ امورِ خلافت میں مشغول تھے۔ ایک شخص فریاد لے کر آیا۔ انہوں نے غصے میں اس پر کوڑا اٹھایا۔ وہ ناراض ہو کر چلا تو خود بلا کر اس کے سامنے اپنا کوڑا ڈال دیا اور کہا کہ مجھ سے قصاص لے" (۴۲)

یہ واقعات تو خلفائے راشدینؓ کی اپنی ذاتی زندگی سے متعلق قانونی مساوات کی حقیقت اور صورت حال کو ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اب ان خلفائے راشدینؓ کے ماتحت امراء و عمال کے متعلق قانون کی حکمرانی اور بالادستی کے ضمن میں حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے جو آپؓ نے عوام کو خطاب کرتے ہوئے اپنے عاملوں اور افسروں کی سرزنش اور تادیب کے متعلق ارشاد فرمایا :

"خدا کی قسم میں اپنے افسروں کو تمہارے یہاں اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہارے منہ پر چپت ماریں یا تمہارے مال چھین لیں۔ میں انہیں تمہارے پاس اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارا دین اور تمہارے نبی ﷺ کی سنت سکھائیں جس کسی کے ساتھ دین اور سنت سے ہٹا ہوا سلوک کیا جائے اسے چاہیے کہ اپنا معاملہ میرے سامنے پیش

کرے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں متعلق افسر سے اس (مظلوم) کا بدلہ لے کر رہوں گا"۔

یہ سن کر عمرؓو بن العاص اچھل کر کھڑے ہو گئے اور بولے:

"امیر المؤمنین! کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی رعایا پر والی مقرر کیا گیا ہو اور وہ ان میں سے کسی کی تادیب کرے تو آپ اس سے اس آدمی کی جانب سے قصاص لیں گے؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس سے ضرور قصاص لوں گا اور میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو اپنے آپ سے قصاص دلواتے دیکھا ہے"۔

سنو! تم لوگ مسلمانوں کو مار کر انہیں ذلیل و خوار نہ کرو۔ ان کی حق تلفیاں کر کے ان کو کفر کی طرف مت دھکیلو اور انہیں لے کر جنگلوں اور دلدلوں میں نہ گھسو کہ وہ تباہ و برباد ہو جائیں"(۴۳)

مولانا عبد السلام ندویؒ اپنی کتاب "اسوہ صحابہ" میں لکھتے ہیں:

"غیر قومیں جب حلقہ اسلام میں داخل ہوتی تھیں تو عدم تعود کی بنا پر ان کو اس مساوات پر سخت تعجب اور تعجب کے ساتھ ناگواری ہوتی تھی۔ جبلہ ابن ایہم غسانی شام کا ایک رئیس تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے ایک بار کسی شخص کی آنکھ پر تھپڑ مارا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے قصاص لینا چاہا تو اس نے کہا: کیا اس کی آنکھ اور میری آنکھ برابر ہے؟ میں اس ملک میں رہنا پسند نہ کروں گا جہاں مجھ کو بھی کوئی دبا سکتا ہے۔ چنانچہ مرتد ہو کر روم کی طرف بھاگ نکلا"(۴۴)

علامہ ابو الحسن الماوردیؒ اپنی کتاب "احکام السلطانیہ" میں لکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے حکام کو لکھا:

'انصاف میں تمام لوگوں کو برابر سمجھو۔ قریب و بعید میں فرق و امتیاز اور رشوت سے بچو"(۴۵)

حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو لکھا:

"سارے انسانوں کو اپنی نظر میں یکساں رکھو اور اپنی مجلس میں ان کے ساتھ یکساں سلوک کرو تاکہ کمزوروں کو تم سے انصاف کی امید باقی رہے اور معززین میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ تم ان کی خاطر دوسروں پر زیادتی کر سکتے ہو"(۴۶)

حضرت علیؓ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی تو ایک عام آدمی کی طرح اس کے خلاف قاضی شریح ؒ کی عدالت میں دعوی دائر کیا۔ قاضی نے حضرت علیؓ سے ثبوت طلب کیا لیکن وہ قانون عدل کے مطابق ثبوت پیش نہ کر سکے۔ اس لئے قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا۔ یہودی نے مقدمہ تو جیت لیا لیکن اس بات نے اسے بہت متاثر کیا کہ صدر حکومت نے عام شہری کیطرح عدالت میں استغاثہ دائر کیا اور جج نے ان سے کسی قسم کا ترجیحی سلوک روا نہ رکھا اور اسی بات پر وہ بہ رضا و رغبت ایمان لا کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (۴۷)

مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ ایک دفعہ قیصر روم کے دربار میں سفیر بن تشریف لے گئے تو آپؓ نے ایک موقعہ پر خلیفہ وقت کے متعلق فرمایا:

"ہمارا سردار ہم میں سے ایک فرد ہے۔ اگر ہمارے مذہب کی کتاب اور ہمارے پیغمبر ﷺ کے طریقہ کی پیروی کرے تو ہم اس کو اپنا سردار باقی رکھیں گے اور اگر ان کے سوا وہ کسی اور چیز پر عمل کرے تو ہم اس کو معزول کر دیں۔ اگر وہ چوری کرے تو ہاتھ کاٹیں اور اگر زنا کرے تو سنگسار کریں اور اگر وہ کسی کو گالی دے تو وہ بھی اس کو اسی کی طرح گالی دے اگر وہ کسی کو زخمی کرے تو اس کا بدلہ لینا پڑے وہ ہم سے چھپ کر پردہ میں نہیں بیٹھتا۔ وہ ہم سے غرور نہیں کرتا۔ مال غنیمت میں اپنے آپ کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا وہ ہم میں ایک معمولی آدمی کا رتبہ رکھتا ہے" (۴۸)

قرآن و حدیث کے ان نصوص اور آثار صحابہ کرامؓ سے قانونی مساوات اور قانون کی حکمرانی و بالادستی کی جو حقیقی روح نکھر کر سامنے آتی ہے اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ عام قیدی ہو یا سیاسی قیدی، معزز ہو یا ادنیٰ، امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا رعایا سب کیلئے ایک ہی قانون ہے اور ایک ہی عدالت ہے۔ تمام کو ایک ہی عدالتی طریقہ کار کے ذریعے قید و جیل کی سزا دی جائے گی۔ کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

قید و جیل میں کلاس اے اور بی کا تصور:

اسلام تمام بنی نوع انسان کو ایک ہی اصل کی مختلف شاخیں قرار دیتا ہے اور پیدائشی طور پر کسی کو ایک دوسرے پر کوئی فوقیت و برتری حاصل نہیں۔ گورا ہو یا کالا ہو، مشرق کا رہنے والا ہو، مغرب کا رہنے والا ہو، کسی قوم، کسی نسل کسی علاقے کا رہنے والا ہو سب بحیثیت انسان برابر

ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْراً وَّنِسَآءً" (۴۹)

(اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔)

اسلام میں شرافت اور رذالت کی کسوٹی صرف دین و تقویٰ ہے اور اس کسوٹی پر لوگوں کو جانچنا اور ان کے شریف ورذیل کے درمیان امتیاز کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے کیونکہ باطنی امور کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ ان باطنی امور میں دخل دینے کا اختیار کسی فرد، گروہ اور ریاست کو حاصل نہیں۔ اسلامی ریاست کی تمام پالیسی ظاہری حالات پر مبنی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے وہ اپنے ہر شہری کو جو شہریت کی شرائط پوری کر رہا ہے معاشرتی مرتبہ کے لحاظ سے ایک ہی درجہ میں رکھتی ہے اور اسی حیثیت سے اس کے ساتھ معاملہ کرتی ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے :

"یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" (۵۰)

(اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کر دیا ہے تاکہ تمہاری آپس میں شناخت ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔)

حضور اکرم ﷺ کے اعلان نبوت نے دور جاہلیت کے تمرد اور حسب و نسب کے فخر کو زمین بوس کر دیا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے :

"قد اذھب اللہ عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء انما ھو مومن تقی وفاجر شقی والناس بنو ادم وادم من تراب" (۵۱)

(اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے تم میں سے جاہلیت والے تکبر و غرور اور آباؤ اجداد پر تفاخر کو دور کر دیا ہے (اب یا تو) پرہیزگار مومن ہے یا بدکار شقی سب لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوا تھا۔)

حضور اکرم ﷺ نے اپنے تاریخی خطبہ حجۃ الوداع میں نسل، وطن، زبان اور رنگ کی

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

تفریق کو یہ کہہ کر مٹایا :

"ایھاالناس الاان ربکم واحدوان اباکم واحدالالافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لااحمرعلی اسود ولا لاسود علی احمر الا بتقوی"(۵۲)

(اے لوگو خبر دار تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ خبر دار عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقوی کے)

حضرت عمر فاروق ؓ نے اس اصول کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی تھی :

"لیس بین اللہ احدنسب الابطاعته ـ فالناس شریفھم وضیعھم فی دین اللہ سواء"(۵۳)

(اللہ اور کسی شخص کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے مگر اس کی اطاعت کے واسطہ سے۔ اس وجہ سے خدا کے قانون میں شریف اور حقیر سب برابر ہیں۔)

فتوحات عراق کے سلسلہ میں ایک جگہ مقامی باشندوں نے سپہ سالار فوج حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں کوئی خاص کھانا بطور تحفہ بھیجا اور یہ کہلایا کہ یہ خاص آپ کیلئے ہدیہ ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کیا تم نے اس قسم کی ضیافت فوج کی بھی کی ہے۔ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ یہ سن کر انہوں نے ان کی ضیافت قبول کرنے سے انکار کیا اور فرمایا :

"لاحاجة لنافیه بئس المرء ابوعبیده ان صحب قوما من بلادھم واھراقوادماء ھم دونه اولم یھریقوھا۔ فاستاثر علیھم بشئی یصیبه لا واللہ لا یاکل ممااناء اللہ علیھم الامثل مایاکل اوساطھم"(۵۴)

(ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ابو عبیدہ سے زیادہ برا آدمی کون ہو سکتا ہے جو اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر آئے اور وہ اس کے حکم پر اپنا خون بہائیں اور جب مال غنیمت ہاتھ آئے تو وہ کسی چیز میں ان کے اوپر اپنے آپ کو ترجیح دے نہیں خدا کی قسم یہ بندہ خدا کے اس بخشے ہوئے مال میں سے صرف وہی کھائے گا جو دوسرے لوگ کھائیں گے۔)

قرآن وحدیث کے ان نصوص اور آثار صحابہ کرامؓ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلامی معاشرے کے تمام افراد کی معاشرتی وسماجی حیثیت بالکل مساوی اور برابر ہوتی ہے۔ اسی اصول مساوات کی بنا پر ریاست تمام شہریوں کو برابری کی بنیاد پر وہ تمام حقوق عطا کرتی ہے جن

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

کے وہ ازروئے شریعت مستحق ٹھہرتے ہیں۔ ان حقوق کی فراہمی میں شہریوں کے درمیان کوئی فرق وامتیاز روا نہیں رکھا جاتا کیونکہ اسلام تمام شہریوں کو مساوی حقوق عطا کرتا ہے۔

اسلام کے اس اصول مساوات کو مدنظر رکھتے ہوئے جب ہم قیدیوں کو فراہم کردہ امتیازی سہولتوں اور رعایتوں کے مجوزہ تصور یعنی کلاس اے اور کلاس بی پر نظر دوڑاتے ہیں تو یہ بات اسلامی اصول سے بالکل مطابقت نہیں رکھتی۔ اسلام کے اس اصول کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام مجرموں کو جیل خانہ میں مساوی سہولتیں اور آسائشیں بہم پہنچائی جائیں۔ اسلام اس امتیازی سلوک کو کسی صورت میں بھی جائز نہیں ٹھہراتا کہ کچھ مجرم اپنی شان و شوکت 'مال و دولت' حسب نسب اور عہدہ و مرتبہ کی بنیاد پر جیل میں کلاس اے اور کلاس بی کی عمدہ اور فرحت بخش' آرام دہ اور پر سکون سہولتوں اور آسائشوں سے لطف اندوز ہوں اور کچھ مجرم اپنے ذاتی تنزل وادبار اور مال و دولت اور عہدہ و اختیار کی کم مائیگی کی بدولت ان سہولتوں سے محروم رہیں بلکہ ان کے ساتھ انسانیت سوز سلوک روا رکھا جائے۔

دراصل ہمارے معاشرے کے جیل خانوں میں مروجہ کلاس اے اور کلاس بی کا تصور استعمار پسند انگریزوں کا رائج کردہ نظام ہے جنہوں نے اس خطے پر اپنے اقتدار کے دوران اپنے مذموم مقاصد کے حصول کیلئے لاگو کر رکھا تھا۔ اسلامی ریاست میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اسلام میں سربراہ ریاست سے لے کر عامۃ الناس کے حقوق مساوی ہوتے ہیں۔ کلاس اے اور کلاس بی کا تصور اسلامی عدل و مساوات کے منافی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ"(۵۵)

(بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔)

اسلامی ریاست اور عدلیہ کیلئے لازم ہے کہ وہ تمام قیدیوں کے ساتھ عدل اور انصاف کے تقاضے پورے کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ"(۵۶)

(اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔)

جیل میں قیدیوں کے ساتھ کلاس اے اور کلاس بی کا فرق وامتیاز شہریوں کے درمیان اعلیٰ و ادنیٰ ہونے کی واضح تمیز ہے جبکہ عام قیدیوں کیلئے کلاس سی کی سہولتیں انسانیت کی تذلیل کا باعث بنتی ہیں۔ چنانچہ فرق مراتب کا یہ لحاظ بالکل غیر شرعی ہے۔ البتہ تعزیر کے معاملے

میں فرقِ مراتب کی گنجائش اسلام میں موجود ہے جبکہ تعزیر اصلاح کیلئے تادیب اور زجر ہو۔

امام ابو الحسن الماوردیؒ اپنی کتاب "احکام السلطانیہ" میں لکھتے ہیں :

"اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کی تادیب اسفل طبقہ کے لوگوں سے خفیف ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بڑے لوگوں کی لغزشیں معاف کر دیا کرو۔ لہذا تادیب میں فرق مراتب کا ضرور لحاظ رکھا جائے اگر حدود معینہ میں سب مساوی ہیں۔ پس بہت بڑے رتبے کے شخص کی تعزیر یہ ہے کہ اس سے اعراض کیا جائے۔ اس سے کم رتبہ کی یہ ہے کہ اس سے ناک چڑھائی جائے۔ اس سے کم رتبہ کی یہ ہے کہ اس کو جھڑکا اور برا بھلا کہا جائے جس میں تہمت یا گالی نہ ہو۔ اس سے کم رتبہ ہوں تو قید کی سزا دے۔ (۵۷)

قیدیوں سے مشقت کرانا :

قیدیوں سے مشقت کرانے کے سلسلہ میں اسلام یہ اصول مہیا کرتا ہے کہ ہر قیدی کی جسمانی طاقت و استعداد کے مطابق اس سے مشقت کرائی جائے۔ کسی قیدی پر اس کی طاقت سے زیادہ مشقت کا بوجھ ڈالنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔ اس اصول کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد یوں ہے :

"لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّاوُسْعَھَا"(۵۸)

(اللہ تعالیٰ کسی پر ناقابل برداشت بوجھ نہیں ڈالتا)

قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَایُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ"(۵۹)

(اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہاری تنگی نہیں چاہتا۔)

قرآن حکیم کے ان احکامات سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان غلطی یا گناہ کا ارتکاب کرنے سے قید کر دیا جائے تو جیل میں اس سے مشقت اس حد تک کرائی جا سکتی ہے جس کی وہ استطاعت رکھتا ہو۔ استطاعت سے زیادہ مشقت کرانا ظلم کے زمرہ میں آتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

"من یشاقق یشقق اللہ علیہ یوم القیامۃ"(۶۰)

(جس نے کسی شخص کو مشقت میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو مشقت میں ڈالے گا)

عہد رسالت میں بدری قیدیوں میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کو دس دس بچوں

کو تعلیم دینے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان بدری قیدیوں کو یہ ذمہ داری ان کی خواہش وطاقت کے مطابق سونپی تھی۔

قیدیوں کا مخصوص لباس: انگریزوں نے اپنے دورِ اقتدار میں یہاں کے قیدیوں کی تذلیل ورسوائی کی خاطر ان کیلئے ایک مخصوص قسم کا لباس تیار کر رکھا تھا جو جیل خانوں میں قیدیوں کو پہنایا جاتا تھا۔ ان کے اقتدار کے خاتمے کے بعد بھی یہ مخصوص لباس ابھی تک اپنی سابقہ شکل وکیفیت سے ملتا جلتا قیدیوں کو فراہم کیا جاتا ہے۔ اسلام انسانیت کی اس طرح کی حقارت وتذلیل کو جائز نہیں ٹھہراتا۔ اگرچہ کہ اس سے کوئی غلطی یا گناہ کا ارتکاب ہو جائے پھر بھی وہ اسے اس کا جائز مقام کا مستحق گردانتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ" (۶۱)

(اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے۔)

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

"وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ" (۶۲)

(اور اس نے تم کو تمام جہان کی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔)

اسلام نے انسان کو جو عظمت اور مرتبہ عطا کیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان ایک دوسرے کی عزت وتکریم کرے اور محبت سے پیش آئے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله" (۶۳)

(تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف مخلوق میں سے بہترین وہ ہے جو اس کے کنبہ کی طرف احسان کرے۔)

قرآن وحدیث کے ان احکام سے عظمت انسان واضح ہو جاتی ہے۔ انسان کی اسی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ جیل میں قیدیوں کے ذلت آمیز خصوصی لباس کو ختم کیا جائے اور انہیں عام لباس پہننے کیلئے مہیا کیا جائے کیونکہ کسی غلطی یا گناہ کا مرتکب ہونے سے اس کی تذلیل کرانا درست اقدام نہیں ہو سکتا۔ ابن آدم گناہوں سے پاک نہیں۔ لہذا گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد جیل میں تذلیل آمیز خصوصی لباس پہنانا انسان کو اپنے اصل مقام ومرتبہ سے گرانے کے مترادف ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

جیل میں قیدیوں کی سزا کی کیفیت: جیل میں قیدیوں کو انسانیت سوز سزا دینے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ سزا اس قسم کی ہونی چاہیے جس سے قیدیوں کی اصلاح ہو اور وہ اپنے گناہوں اور غلطیوں پر نادم و شرمندہ ہوں۔

فتاویٰ عالمگیری کے فقہائے کرام قیدیوں کی سزا کے متعلق لکھتے ہیں :

"قاضی کو نہ چاہیے کہ کسی قیدی کو قرضہ وغیرہ کے عوض مارے اور نہ اس کو جکڑے اور نہ بیڑی ڈالے اور نہ طوق پہناوے اور نہ پھیلا کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور نہ اس کو برہنہ کرے اور نہ آفتاب میں کھڑا کرے" (۶۴)

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے اپنے جیل حکام کو قیدیوں کی سزا کے متعلق جو فرمان جاری کیا تھا اس میں یہ حکم بھی شامل تھا۔

"تمہارے قید خانوں میں جو مسلمان قیدی ہوں انہیں اس طرح باندھ کر نہ رکھو کہ وہ کھڑے ہو کر نماز نہ ادا کر سکیں۔ قتل کے مجرموں کے علاوہ کسی قیدی کو رات بھر بیڑیوں میں نہ رکھا جائے۔ صدقہ کی مد سے ان کیلئے اتنا روزینہ مقرر کر دو کہ روٹی سالن کیلئے کافی ہو" (۶۵) مشائخ نے فرمایا ہے کہ اگر ایسا قیدی ہو جس کے پاس مال ہے اور وہ قرضہ ادا کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس کے واسطے چاہیے کہ گہری جگہ قید کیا جاوے کہ فرش وغیرہ کچھ نہ ہو اور نہ کوئی اس کے پاس جانے پاوے تاکہ اس کا قلب پریشان ہو (۶۶)

خوراک و رہائش اور دیگر ضروریات کی باحسن فراہمی :

قیدیوں کی خوراک و رہائش اور صحت و تندرستی کا مناسب خیال اور بندوبست کرنا بہت ضروری ہے۔ ان ضروریات سے غفلت اور لاپرواہی برتنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ انسان کی بنیادی ضرورت کھانے پینے کی ہے۔ جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا" (۶۷)

(اور مسلمان اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں یتامیٰ اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں)

قرآن مجید کا کھانا کھلانے کا یہ حکم جنگی قیدیوں اور دیگر قیدیوں کیلئے عام ہے۔ انسان کی

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ : امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

اس بنیادی ضرورت خوراک کے متعلق اسلام جو اصول ہمیں بتلاتا ہے وہ ہے پاک وطیب خوراک کا ہونا جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"یَاَیُّھَاالنَاسُ کلوا مما فی الارض حلالا طیباً"(٦٨)

(اے لوگو زمین میں سے حلال اور طیب چیزیں کھاؤ)

حلال اور طیب چیز سے مراد ایسی چیز ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہو اور وہ خوشگوار اور فرحت بخش ہو۔

خوراک کی بنیادی ضرورت کے علاوہ صاف ستھری اور حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق رہائش بھی لازمی چیز ہے۔ اسلام صحت و صفائی اور طہارت و پاکیزگی پر بہت زور دیتا ہے۔ قرآن مجید میں حضور اکرم ﷺ کو مخاطب فرما کر ارشاد ہوا :

"وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ۔ وَالرُّجزَ فَاھجُرْ"(٦٩)

(اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں اور گندگی سے دور رہیں)

معلم انسانیت ﷺ کا ارشاد ہے :

"الطہارۃ شطر الایمان"(٧٠)

(طہارت نصف ایمان ہے)

حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں :

"ان اللہ طیب یحب الطیب نظیف یحب النظافۃ کریم یحب الکرم جواد یحب الجود فنظفوا(٧١)

(بے شک اللہ تعالیٰ طیب ہے طیب کو پسند فرماتا ہے پاک وصاف ہے پاکی کو پسند فرماتا ہے کریم ہے کرم سے محبت رکھتا ہے سخی ہے سخی کو دوست رکھتا ہے۔ لہٰذا تم لوگ بھی پاک وصاف رہو)

قرآن و حدیث کے ان نصوص سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے قیدیوں کی بنیادی ضروریات یعنی عمدہ خوراک اور صاف ستھری رہائش کی فراہمی کیلئے جامع اصول ہمیں ذہن نشین کرائے ہیں۔ قیدیوں کیلئے متوازن غذا اور فرحت بخش خوراک ان کی صحت و تندرستی کیلئے ناگزیر ہے۔ قید کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں رہائش سے بھی ان کی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ قیدیوں کی صحت و تندرستی کو قائم دائم رکھنے کی خاطر مناسب غذا اور رہائش کا بندوبست اسلام کے نزدیک اولین اہمیت کا حامل ہے۔ اسلامی ریاست اسلام کے ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی شرعاً